تفہیم القرآن

الاحزاب

(۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔[۹۴] نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ۔[۹۵] مگر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے

۹۴؎ یہ اس حکم عام کی تمہید ہے جو تقریباً ایک سال کے بعد سورۂ نور کی آیت ۲۷ میں دیا گیا۔ قدیم زمانے میں اہلِ عرب بے تکلف ایک دوسرے کے گھروں میں چلے جاتے تھے۔ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص سے ملنا ہوتا تو وہ دروازے پر کھڑے ہو کر پکارنے اور اجازت لے کر اندر جانے کا پابند نہ تھا۔ بلکہ اندر جا کر عورتوں اور بچوں سے پوچھ لیتا تھا کہ صاحب خانہ گھر میں ہے یا نہیں۔ یہ جاہلانہ طریقہ بہت سی خرابیوں کا موجب تھا۔ اور بسا اوقات اس سے بہت گھناؤنے اخلاقی مفاسد کا بھی آغاز ہو جاتا تھا۔ اس لیے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں یہ قاعدہ مقرر کیا گیا کہ کوئی شخص، خواہ وہ قریبی دوست یا دور پرے کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، آپ کے گھروں میں اجازت لیے بغیر داخل نہ ہو۔ پھر سُورۂ نور میں اس قاعدے کو تمام مسلمانوں کے گھروں میں رائج کرنے کا عام حکم دیدیا گیا۔

۹۵؎ یہ اس سلسلے کا دوسرا حکم ہے۔ جو غیر مہذّب عادات اہلِ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کسی دوست یا ملاقاتی کے گھر کھانے کا وقت تاک کر پہنچ جاتے۔ یا اس کے گھر آ کر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ کھانے کا وقت ہو جائے۔ اس حرکت کی وجہ سے صاحب خانہ اکثر عجیب مشکل میں پڑ جاتا تھا۔ مُنہ پھوڑ کر کہے کہ میرے کھانے کا وقت ہے، آپ تشریف لے جائیے، تو بے مروتی ہے۔ کھلائے تو آخر اچانک آئے ہوئے کتنے آدمیوں کو کھلائے۔ ہر وقت ہر آدمی کے بس میں یہ نہیں ہوتا کہ جب جتنے آدمی بھی اس کے ہاں

میں نہ لگے رہو۔[۹۶] تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں، مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کیلیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔[۹۷] تمہارے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ

آجائیں، ان کے کھانے کا انتظام فوراً کرے۔ اللہ تعالٰے نے اس بیہودہ عادت سے منع فرمایا اور حکم دے دیا کہ کسی شخص کے گھر کھانے کے لیے اس وقت جانا چاہیے جبکہ گھر والا کھانے کی دعوت دے۔ یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لیے خاص نہ تھا بلکہ اُس نمونے کے گھر میں یہ قواعد اسی لیے جاری کیے گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کے ہاں عام تہذیب کے ضابطے بن جائیں۔

[۹۶] یہ ایک اور بیہودہ عادت کی اصلاح ہے۔ بعض لوگ کھانے کی دعوت میں بُلائے جاتے ہیں تو کھانے سے فارغ ہو جانے کے بعد دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور آپس میں گفتگو کا ایسا سلسلہ چھیڑ دیتے ہیں جو کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔ انہیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ صاحب خانہ اور گھر کے لوگوں کو اس سے کیا زحمت ہوتی ہے۔ ناشائستہ لوگ اپنی اس عادت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنگ کرتے رہتے تھے اور آپ اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے اس کو برداشت کرتے تھے۔ آخر کار حضرت زینب کے ولیمے کے روز یہ حرکت اذیت رسانی کی حد سے گزر گئی۔ حضور کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رات کے وقت ولیمے کی دعوت تھی۔ عام لوگ تو کھانے سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے، مگر دو تین حضرات بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگ گئے۔ تنگ آکر حضور اُٹھے اور ازواج مطہرات کے ہاں ایک چکر لگایا۔ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ پھر پلٹ گئے اور حضرت عائشہ کے حجرے میں جا بیٹھے۔ اچھی خاصی رات گزر جانے پر جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے ہیں تب آپ حضرت زینب کے مکان میں تشریف لائے۔ اس کے بعد ناگزیر ہو گیا کہ اللہ تعالٰے خود ان بُری عادات پر لوگوں کو متنبہ فرمائے۔ حضرت انس کی روایت کے مطابق یہ آیات اسی موقع پہ نازل ہوئی تھیں۔ (مسلم۔ نسائی۔ ابن جریر)

[۹۷] یہی آیت ہے جس کو آیت حجاب کہا جاتا ہے۔ بخاری میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ حضرت عمر اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ حضور سے عرض کر چکے تھے کہ یا رسول اللہ، آپ کے ہاں

اللہ کے رسول کو تکلیف دو[۹۸]، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو[۹۹]، یہ اللہ

بھلے اور بُرے سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کاش آپ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دے دیتے۔
ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ازواج رسولؐ سے کہا کہ "اگر آپ کے حق میں میری بات مانی
جائے تو کبھی میری نگاہیں آپ کو نہ دیکھیں"۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ قانون سازی میں خود مختار نہ
تھے، اس لیے آپ اشارۂ الٰہی کے منتظر رہے۔ آخر کار یہ حکم آگیا کہ محرم مردوں کے سوا (جیسا کہ آگے آیت ۵۵
میں آرہا ہے) کوئی مرد حضور کے گھر میں نہ آئے، اور جس کو بھی خواتین سے کوئی کام ہو وہ پردے کے پیچھے سے بات
کرے۔ اِس حکم کے بعد ازواجِ مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے، اور چونکہ حضور کا گھر تمام
مسلمانوں کے لیے نمونے کا گھر تھا، اس لیے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے۔ آیت کا آخری فقرہ
خود اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو لوگ بھی مردوں اور عورتوں کے دل پاک رکھنا چاہیں انہیں یہ طریقہ
اختیار کرنا چاہیے۔

اب جس شخص کو بھی خدا نے بینائی عطا کی ہے وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ جو کتاب مردوں کو عورتوں سے رودر
رو بات کرنے سے روکتی ہے، اور پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی مصلحت یہ بتاتی ہے کہ "تمہارے اور ان کے
دلوں کی پاکیزگی کے لیے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے"، اُس میں سے آخر یہ نرالی روح کیسے کشید کی جاسکتی ہے کہ
مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور جمہوری ادارات اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا بے تکلف میل جول بالکل جائز ہے اور اس سے
دلوں کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی کو قرآن کی پیروی نہ کرنی ہو تو اس کے لیے زیادہ معقول طریقہ یہ
ہے کہ وہ اس کی خلاف ورزی کرے اور صاف صاف کہے کہ میں اس کی پیروی نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن یہ تو بڑی
ہی ذلیل حرکت ہے کہ وہ قرآن کے صریح احکام کی خلاف ورزی بھی کرے اور پھر ڈھٹائی کے ساتھ یہ بھی کہے کہ یہ
اسلام کی "روح" ہے جو میں نے نکال لی ہے۔ آخر وہ اسلام کی کونسی روح ہے جو قرآن و سنت کے باہر کسی جگہ سے
ان لوگوں کو مل جاتی ہے۔

۹۸۔ یہ اشارہ ہے ان الزام تراشیوں کی طرف جو اُس زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی جارہی
تھیں اور کفار و منافقین کے ساتھ بعض ضعیف الایمان مسلمان بھی ان میں حصہ لینے لگے تھے۔

کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔[۱۰۰]

ازواجِ نبی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے باپ، ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے، ان کے بھانجے،[۱۰۱] ان کے میل جول کی عورتیں[۱۰۲] اور ان کے مملوک[۱۰۳] گھروں میں آئیں۔ انہیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہیے، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔[۱۰۴]

اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں،[۱۰۵] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام

---

۹۹ یہ تشریح ہے اُس ارشاد کی جو آغاز سورہ میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

۱۰۰ یعنی اگر حضور کے خلاف دل میں بھی کوئی بُرا خیال کوئی شخص رکھے گا، یا آپ کی ازواج کے متعلق کسی کی نیت میں بھی کوئی برائی چھپی ہوگی تو اللہ تعالیٰ سے وہ چھپی نہ رہے گی اور وہ اس پر سزا پائے گا۔

۱۰۱ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ نور حواشی نمبر ۳۸ تا ۴۲۔ اس سلسلے میں علامہ آلوسی کی یہ تشریح بھی قابلِ ذکر ہے کہ "بھائیوں، بھانجوں اور بھتیجوں کے حکم میں وہ سب رشتہ دار آجاتے ہیں جو ایک عورت کے لیے حرام ہوں، خواہ وہ نسبی رشتہ دار ہوں یا رضاعی۔ اس فہرست میں چچا اور ماموں کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ عورت کے لیے بمنزلۂ والدین ہیں۔ یا پھر ان کے ذکر کو اس لیے ساقط کر دیا گیا کہ بھانجوں اور بھتیجوں کا ذکر آجانے کے بعد اُن کے ذکر کی حاجت نہیں ہے، کیونکہ بھانجے اور بھتیجے سے پردہ نہ ہونے کی جو وجہ ہے وہی چچا اور ماموں سے پردہ نہ ہونے کی وجہ بھی ہے۔" (روح المعانی)

۱۰۲ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ نور حاشیہ نمبر ۴۳۔

۱۰۳ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر سورۂ نور حاشیہ نمبر ۴۴۔

۱۰۴ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس حکمِ قطعی کے آجانے کے بعد آئندہ کسی ایسے شخص کو گھروں میں بے حجاب آنے کی اجازت نہ دی جائے جو ان مستثنیٰ رشتہ داروں کے دائرے سے باہر ہو۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ خواتین کو یہ روش ہرگز نہ اختیار کرنی چاہیے کہ وہ شوہر کی موجودگی میں تو پردے کی پابندی کریں مگر جب وہ موجود نہ ہو تو غیر محرم مردوں کے سامنے پردہ اُٹھا دیں۔ ان کا یہ فعل چاہے ان کے شوہر سے چھپا رہ جائے،

بھیجو۔[105] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ نے لعنت

خدا سے تو نہیں چھپ سکتا۔

[105] اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ پر بے حد مہربان ہے، آپ کی تعریف فرماتا ہے، آپ کے کام میں برکت دیتا ہے، آپ کا نام بلند کرتا ہے اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا ہے۔ ملائکہ کی طرف سے آپ پر صلوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ سے غایت درجے کی محبت رکھتے ہیں اور آپ کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپکو زیادہ سے زیادہ بلند مرتبے عطا فرمائے، آپکے دین کو سربلند کرے، آپکی شریعت کو فروغ بخشے، آپ کو مقام محمود پر پہنچائے۔ سیاق و سباق پر نگاہ ڈالنے سے صاف محسوس ہو جاتا ہے کہ اس سلسلۂ بیان میں یہ بات کس لیے ارشاد فرمائی گئی ہے۔ وقت وہ تھا جب دشمنانِ اسلام اس دینِ مبین کے فروغ پر اپنے دل کی جلن نکالنے کے لیے حضورؐ کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے تھے کہ اس طرح کیچڑ اچھال کر وہ آپکے اُس اخلاقی اثر کو ختم کر دینگے جس کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کے قدم روز بروز بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ بتایا کہ کفار و مشرکین اور منافقین میرے نبی کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے کی جتنی چاہیں کوشش کر دیکھیں، آخر کار وہ منہ کی کھائیں گے، اس لیے کہ میں اُس پر مہربان ہوں اور ساری کائنات کا نظم و نسق جن فرشتوں کے ذریعے سے چل رہا ہے وہ سب اُس کے حامی اور ثنا خواں ہیں۔ وہ اس کی مذمت کر کے کیا پا سکتے ہیں جبکہ میں اس کا نام بلند کر رہا ہوں اور میرے فرشتے اس کی تعریفوں کے چرچے کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اوچھے ہتھیاروں سے اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں جبکہ میری رحمتیں اور برکتیں اس کے ساتھ ہیں اور میرے فرشتے شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ رب العالمین، محمدؐ کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اس کے دین کو اور زیادہ فروغ دے۔

[106] دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو جن کو محمدؐ رسول اللہ کی بدولت راہِ راست نصیب ہوئی ہے، تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے احسانِ عظیم کا حق ادا کرو۔ تم جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، اس شخص نے تمہیں علم کی روشنی دی۔ تم اخلاق کی پستیوں میں گرے ہوئے تھے، اس شخص نے تمہیں اٹھایا اور اس قابل بنایا کہ آج محسودِ خلائق بنے ہوئے ہو۔ تم وحشت اور حیوانیت میں مبتلا تھے، اس شخص نے تم کو

بہترین انسانی تہذیب سے آراستہ کیا۔ کُفر کی دُنیا اسی لیے اس شخص پر خار کھا رہی ہے کہ اس نے یہ احسانات تم پر کیے، ورنہ اس نے کسی کے ساتھ ذاتی طور پر کوئی بُرائی نہ کی تھی۔ اس لیے اب تمہاری احسان شناسی کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جتنا بغض وہ اِس خیرِ مجسّم کے خلاف رکھتے ہیں اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ محبّت تم اس سے رکھو، جتنی وہ اس سے نفرت کرتے ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے گرویدہ ہو جاؤ، جتنی وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کی تعریف کرو، جتنے وہ اس کے بدخواہ ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے زیادہ تم اس کے خیر خواہ بنو اور اس کے حق میں وہی دُعا کرو جو اللہ کے فرشتے شب و روز اس کے لیے کر رہے ہیں کہ اے ربّ دو جہاں، جس طرح تیرے نبی نے ہم پر بے پایاں احسانات فرمائے ہیں، تو بھی ان پر بے حد و حساب رحمت فرما، ان کا مرتبہ دنیا میں بھی سب سے زیادہ بلند کر اور آخرت میں بھی انہیں تمام مقرّبین سے بڑھ کر تقرّب عطا فرما۔

اس آیت میں مسلمانوں کو دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک صلّوا علیہ۔ دوسرے سلّموا تسلیما۔

صلوٰۃ کا لفظ جب علیٰ کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔ ایک، کسی پر مائل ہونا، اس کی طرف محبّت کے ساتھ متوجّہ ہونا اور اُس پر جھکنا۔ دوسرے، کسی کی تعریف کرنا۔ تیسرے، کسی کے حق میں دُعا کرنا۔ یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کیلیے بولا جائیگا تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنی میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دُعا کرنا قطعاً ناقابلِ تصوّر ہے۔ اس لیے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہوگا۔ لیکن جب یہ لفظ بندوں کیلیے بولا جائیگا، خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان، تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا۔ اسمیں محبّت کا مفہوم بھی ہوگا، مدح و ثنا کا مفہوم بھی اور دُعائے رحمت کا مفہوم بھی۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صلّوا علیہ، کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ، ان کی مدح و ثنا کرو، اور ان کے لیے دُعا کرو۔

سلام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ ایک، ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا، جس کے لیے ہم اُردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔ دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں سلّموا تسلیما کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دُعا کرو۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل و جان سے ان کا ساتھ دو، اُن کی مخالفت سے پرہیز کرو، اور ان کے سچّے فرمانبردار بن کر رہو۔

یہ حکم جب نازل ہُوا تو متعدد صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور ملاقات کے وقت السلام علیک یا رسول اللہ کہنا) مگر آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں حضورؐ نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر جو درود سکھائے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

کعب بن عُجرہؓ: اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلےٰ آل ابراھیم انک حمید مجید وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ یہ درود تھوڑے تھوڑے لفظی اختلافات کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ابن عباسؓ: ان سے بھی بہت خفیف فرق کے ساتھ وہی درود مروی ہے جو اوپر نقل ہُوا ہے۔ (ابن جریر)

ابو حُمید ساعدیؓ: اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ وازواجہٖ وذرّیّتہٖ کما صلیت علیٰ ابراھیم وبارک علیٰ محمد وازواجہٖ وذرّیّتہٖ کما بارکت علیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید (مالک، احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ابومسعود بدریؓ: اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید (مالک، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، احمد، ابن جریر، ابن حبّان، حاکم)

ابوسعید خُدریؓ: اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ عبدک ورسولک کما صلیت علیٰ ابراھیم وبارک علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمد کما بارکت علےٰ ابراھیم (احمد، بخاری، نسائی، ابن ماجہ)

بُریدۃ الخزاعی: اللھم اجعل صلوٰتک ورحمتک وبرکاتک علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ کما جعلتھا علیٰ ابراھیم انک حمید مجید (احمد، عبد بن حمید، ابن مردویہ)

ابوہریرہؓ: اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ وبارک علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ کما صلیت وبارکت علیٰ ابراھیم وآل ابراھیم فی العالمین انک حمید مجید (نسائی)

حضرت طلحہؓ: اللھم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم انک حمید مجید (ابن جریر)

یہ تمام درود الفاظ کے اختلاف کے باوجود معنی میں متفق ہیں۔ اِن کے اندر چند اہم نکات ہیں جنہیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے:

اوّلاً، ان سب میں حضور نے مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ مجھ پر درود بھیجنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ اے خدا، تو محمدؐ پر درود بھیج۔ نادان لوگ جنہیں معنی کا شعور نہیں ہے اس پر فوراً یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ یہ تو عجیب بات ہوئی، اللہ تعالیٰ تو ہم سے فرمارہا ہے کہ تم میرے نبی پر درود بھیجو، مگر ہم اُلٹا اللہ سے کہتے ہیں کہ تو درود بھیج۔ حالانکہ دراصل اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ تم مجھ پر "صلوٰۃ" کا حق ادا کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے، اس لیے اللہ ہی سے دُعا کرو کہ وہ مجھ پر صلوٰۃ فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ ہم حضور کے مراتب بلند نہیں کر سکتے۔ اللہ ہی بلند کر سکتا ہے۔ ہم حضور کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے، اللہ ہی ان کا اجر دے سکتا ہے۔ ہم حضور کے رفع ذکر کے لیے اور آپ کے دین کو فروغ دینے کے لیے خواہ کتنی ہی کوشش کریں، اللہ کے فضل اور اس کی توفیق و تائید کے بغیر اُس میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ حضور کی محبت و عقیدت بھی ہمارے دل میں اللہ ہی کی مدد سے جاگزین ہو سکتی ہے ورنہ شیطان نہ معلوم کتنے وساوس دل میں ڈال کر ہمیں آپ سے منحرف کر سکتا ہے، اعاذنا اللہ من ذالک۔ لہٰذا حضور پر صلوٰۃ کا حق ادا کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ سے آپ پر صلوٰۃ کی دُعا کی جائے۔ جو شخص اللھم صل علی محمد کہتا ہے وہ گویا اللہ کے حضور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ خدایا، تیرے نبی پر صلوٰۃ کا جو حق ہے اسے ادا کرنا میرے بس میں نہیں ہے، تو ہی میری طرف سے اس کو ادا کر اور مجھ سے اس کے ادا کرنے میں جو خدمت چاہے لے لے۔

ثانیاً، حضور کی شانِ کرم نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ تنہا اپنی ہی ذات کو اس دُعا کے لیے مخصوص فرمالیں، بلکہ اپنے ساتھ اپنی آل اور ازواج اور ذرّیت کو بھی آپ نے شامل کر لیا۔ ازواج اور ذرّیت کے معنی تو ظاہر ہیں۔ رہا آل کا لفظ، تو وہ محض حضور کے خاندان والوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ سب لوگ آجاتے

ہیں جو آپ کے پیرو ہوں اور آپ کے طریقے پر چلیں۔ عربی لغت کی رُو سے آل اور اہل میں فرق یہ ہے کہ کسی شخص کی آل وہ سب لوگ سمجھے جاتے ہیں جو اس کے ساتھی، مددگار اور متبع ہوں، خواہ وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ اور کسی شخص کے اہل وہ سب لوگ کہے جاتے ہیں جو اس کے رشتہ دار ہوں، خواہ وہ اس کے ساتھی اور متبع ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ۱۴ مقامات پر آلِ فرعون کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ان میں سے کسی جگہ بھی آل سے مراد محض فرعون کے خاندان والے نہیں ہیں بلکہ وہ سب لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ کے مقابلے میں اس کے ساتھی تھے۔ (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ آیات ۴۹-۵۰۔ آل عمران، ۱۱۔ الاعراف، ۱۳۰۔ المومن، ۴۶) پس آل محمدؐ سے ہر وہ شخص خارج ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر نہ ہو، خواہ وہ خاندانِ رسالت ہی کا ایک فرد ہو، اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو حضور کے نقشِ قدم پر چلتا ہو، خواہ وہ حضور سے کوئی دور کا بھی نسبی تعلق نہ رکھتا ہو۔ البتہ خاندانِ رسالت کے وہ افراد بدرجۂ اولیٰ آلِ محمد ہیں جو آپ سے نسبی تعلق بھی رکھتے ہیں اور آپ کے پیرو بھی ہیں۔

ثالثاً، ہر درود جو حضور نے سکھایا ہے اس میں یہ بات ضرور شامل ہے کہ آپ پر ویسی ہی مہربانی فرمائی جائے جیسی ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیم پر فرمائی گئی ہے۔ اس مضمون کو سمجھنے میں لوگوں کو بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ اس کی مختلف تاویلیں علماء نے کی ہیں۔ مگر کوئی تاویل دل کو نہیں لگتی۔ میرے نزدیک صحیح تاویل یہ ہے (والعلم عند اللہ) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم پر ایک خاص کرم فرمایا ہے جو آج تک کسی پر نہیں فرمایا، اور وہ یہ ہے کہ تمام وہ انسان جو نبوّت اور وحی اور کتاب کو ماخذ ہدایت مانتے ہیں وہ حضرت ابراہیم کی پیشوائی پر متفق ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں، یا عیسائی یا یہودی۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کے پیروؤں کا مرجع بنایا ہے اسی طرح مجھے بھی بنا دے۔ اور کوئی ایسا شخص جو نبوّت کا ماننے والا ہو، میری نبوّت پر ایمان لانے سے محروم نہ رہ جائے۔

یہ امر کہ حضور پر درود بھیجنا سنّتِ اسلام ہے، جب آپ کا نام آئے اس کا پڑھنا مستحب ہے، اور خصوصاً نماز میں اس کا پڑھنا مسنون ہے، اس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ اس امر پر بھی اجماع ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ حضور پر درود بھیجنا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں اس کا حکم دیا ہے۔ لیکن اس کے بعد درود کے مسئلے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

امام شافعی اس بات کے قائل ہیں کہ نماز میں آخری مرتبہ جب آدمی تشہّد پڑھتا ہے اُس میں صلوٰۃ علی النبی پڑھنا فرض ہے، اگر کوئی شخص نہ پڑھے گا تو نماز نہ ہوگی۔ صحابہ میں سے ابنِ مسعود، ابو مسعود انصاری، ابن عمر اور جابر بن عبداللہ، تابعین میں سے شعبی، امام محمد باقر، محمد بن کعب قرظی اور مقاتل بن حیّان، اور فقہاء میں سے اسحاق بن راہْوَیہ کا بھی یہی مسلک تھا، اور آخر میں امام احمد بن حنبل نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ درود عمر میں صرف ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے۔ یہ کلمۂ شہادت کی طرح ہے کہ جس نے ایک مرتبہ اللہ کی الٰہیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیا اس نے فرض ادا کر دیا۔ اسی طرح جس نے ایک دفعہ درود پڑھ لیا وہ فریضۂ صلوٰۃ علی النبی سے سبکدوش ہو گیا۔ اس کے بعد نہ کلمہ پڑھنا فرض ہے نہ درود۔

ایک اور گروہ نماز میں اس کا پڑھنا مطلقاً واجب قرار دیتا ہے مگر تشہد کے ساتھ اس کو مقیّد نہیں کرتا۔

ایک دوسرے گروہ کے نزدیک ہر دُعا میں اس کا پڑھنا واجب ہے۔ کچھ اور لوگ ان کے قائل ہیں کہ جب بھی حضور کا نام آئے، درود پڑھنا واجب ہے۔ اور ایک گروہ کے نزدیک ایک مجلس میں حضور کا ذکر خواہ کتنی ہی مرتبہ آئے، درود پڑھنا بس ایک دفعہ واجب ہے۔

یہ اختلافات صرف وجوب کے معاملہ میں ہیں۔ باقی رہی درود کی فضیلت، اور اس کا موجب اجر و ثواب ہونا، اور اس کا ایک بہت بڑی نیکی ہونا، تو اس پر ساری اُمت متفق ہے۔ اس میں کسی ایسے شخص کو کلام نہیں ہو سکتا جو ایمان سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہو۔ درود تو فطری طور پر ہر اس مسلمان کے دل سے نکلے گا جسے یہ احساس ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بعد ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں۔ اسلام اور ایمان کی جتنی قدر انسان کے دل میں ہوگی اتنی ہی زیادہ قدر اس کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کی بھی ہوگی، اور جتنا زیادہ آدمی ان احسانات کا قدر شناس ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ حضور پر درود بھیجے گا۔ پس درحقیقت کثرتِ درود ایک پیمانہ ہے جو ناپ کر بتا دیتا ہے کہ دینِ محمدؐ سے ایک آدمی کتنا گہرا تعلق رکھتا ہے اور نعمتِ ایمان کی کتنی قدر اس کے دل میں ہے۔ اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من صلّٰی علیّ صلوٰۃً لم تزل الملائکۃ تصلّی علیہ ما صلّٰی علیّ (احمد و ابن ماجہ) "جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے ملائکہ اس پر درود بھیجتے

رہتے ہیں جب تک وہ مجھ پر درود بھیجتا رہے"۔ من صلّٰی علیّ واحدۃً صلّی اللہ علیہ عشراً (مسلم) "جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے"۔ اولی الناس بی یوم القیٰمۃ اکثرھم علیّ صلوٰۃ (ترمذی) "قیامت کے روز میرے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجے گا"۔ البخیل الذی ذُکِرتُ عندہ فلم یصلّ علیّ۔ (ترمذی) "بخیل ہے وہ شخص جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کے لیے اللّٰھم صلّ علیٰ فلان، یا صلی اللہ علیہ وسلم، یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں، اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک گروہ، جس میں قاضی عیاض سب سے زیادہ نمایاں ہیں، اسے مطلقاً جائز رکھتا ہے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود غیرانبیاء پر صلوٰۃ کی متعدد مقامات پر تصریح کی ہے۔ مثلاً اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَرَحْمَۃٌ (البقرہ۔ ۱۵۷) خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا وَصَلِّ عَلَیْہِمْ۔ (التوبہ۔ ۱۰۳)۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ (الاحزاب۔ ۴۳) اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مواقع پر لفظ صلوٰۃ کے ساتھ غیرانبیاء کو دعا دی ہے۔ مثلاً ایک صحابی کے لیے آپ نے دعا فرمائی کہ اللھم صل علیٰ آل ابی اوفیٰ۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی بیوی کی درخواست پر فرمایا، صلی اللہ علیک وعلیٰ زوجک۔ جو لوگ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے ان کے حق میں آپ فرماتے اللھم صلِّ علیھم۔ حضرت سعد بن عُبادہ کے حق میں آپ نے فرمایا، اللھم اجعل صلوٰتک ورحمتک علیٰ آل سعد بن عُبادۃ۔ اور مومن کی روح کے متعلق حضورؐ نے خبر دی کہ ملائکہ اس کے حق میں دعا کرتے ہیں صلی اللہ علیک وعلیٰ جسدک۔ لیکن جمہور اُمت کے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب یہ اہلِ اسلام کا شعار بن چکا ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام کو انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص کرتے ہیں اس لیے غیرانبیاء کے لیے اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک مرتبہ اپنے ایک عامل کو لکھا تھا کہ "میں نے سُنا ہے کچھ واعظین نے یہ نیا طریقہ شروع کیا ہے کہ وہ صلوٰۃ علی النبی کی طرح اپنے سرپرستوں اور حامیوں کے لیے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال کرنے لگے ہیں۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد ان لوگوں کو اس فعل سے روک دو اور

فرمائی ہے اور ان کے لیے رسواکن عذاب مہیا کر دیا ہے۔[۱۱۰] اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان[۱۱۱] اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔

اے نبی، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں[۱۱۲]۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی

انہیں حکم دو کہ وہ صلوٰۃ کو انبیاء کے لیے مخصوص رکھیں اور دوسرے مسلمانوں کے حق میں دعا پر اکتفا کریں"۔ (روح المعانی)

[۱۱۰] اللہ کو اذیت دینے سے مراد دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی نافرمانی کی جائے، اس کے مقابلے میں کفر و شرک اور دہریت کا رویہ اختیار کیا جائے، اور اس کے حرام کو حلال کر لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کے رسول کو اذیت دی جائے، کیونکہ جس طرح رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اسی طرح رسول پر طعن خدا پر طعن ہے، رسول کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے، اور رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

[۱۱۱] یہ آیت بہتان کی تعریف متعین کر دیتی ہے، یعنی جو عیب آدمی میں نہ ہو، یا جو قصور آدمی نے نہ کیا ہو وہ اس کی طرف منسوب کرنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا غیبت کیا ہے۔ فرمایا ذکرک اخاک بما یکرہ "تیرا اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا جو اسے ناگوار ہو"۔ عرض کیا گیا اور اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو۔ فرمایا ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتّہ "اگر اس میں وہ عیب موجود ہے جو تو نے بیان کیا تو تُو نے اس کی غیبت کی۔ اور اگر وہ اس میں نہیں ہے تو تُو نے اس پر بہتان لگایا"۔ یہ فعل صرف ایک اخلاقی گناہ ہی نہیں ہے جس کی سزا آخرت میں ملنے والی ہو۔ بلکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے قانون میں بھی جھوٹے الزامات لگانے کو جرم مستلزم سزا قرار دیا جائے۔

[۱۱۲] اصل الفاظ ہیں یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ۔ جلباب عربی زبان میں بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ اور اِدناء کے اصل معنی قریب کرنے اور لپیٹ لینے کے ہیں، مگر جب اس کے ساتھ علیٰ کا صلہ

آئے تو اس میں اِرخاء، یعنی اوپر سے لٹکا لینے کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ زمانے کے بعض مترجمین و مفسرین مغربی مذاق سے مغلوب ہو کر اس لفظ کا ترجمہ صرف "لپیٹ لینا" کرتے ہیں تاکہ کسی طرح چہرہ چھپانے کے حکم سے بچ نکلا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا مقصود اگر وہی ہوتا جو یہ حضرات بیان کرنا چاہتے ہیں تو وہ یُدْنِیْنَ اِلَیْھِنَّ فرماتا۔ جو شخص بھی عربی زبان جانتا ہو وہ کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ یدنین علیھنّ کے معنی محض لپیٹ لینے کے ہو سکتے ہیں۔ مزید براں مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ کے الفاظ یہ معنی لینے میں اور زیادہ مانع ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں مِنْ تبعیض کے لیے ہے، یعنی چادر کا ایک حصّہ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ لپیٹی جائے گی تو پوری چادر لپیٹی جائے گی نہ کہ اس کا محض ، ایک حصّہ۔ اس لیے آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ عورتیں اپنی چادریں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ کر اُن کا ایک حصّہ، یا آن کا پلو اپنے اوپر سے لٹکا لیا کریں، جسے عرف عام میں گھونگھٹ ڈالنا کہتے ہیں۔

یہی معنی عہدِ رسالت سے قریب ترین زمانے کے اکابر مفسرین بیان کرتے ہیں۔ ابنِ جریر اور ابن المنذر کی روایت ہے کہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عُبَیدۃ السَّلمانی سے اس آیت کا مطلب پوچھا۔ (یہ حضرت عُبَیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے مگر حاضرِ خدمت نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مدینہ آئے اور وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انہیں فقہ اور قضاء میں قاضی شُریح کا ہم پلہ مانا جاتا تھا)۔ اُنہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنی چادر اُٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا مُنہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھُلی رکھی۔ ابنِ عباس بھی قریب قریب یہی تفسیر کرتے ہیں۔ اُن کے جو اقوال ابنِ جریر، ابنِ ابی حاتم اور ابنِ مَردُویَہ نے نقل کیے ہیں ان میں وہ کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا مُنہ چھپا لیں اور صرف آنکھیں کھُلی رکھیں"۔ یہی تفسیر قتادہ اور سُدّی نے بھی اس آیت کی بیان کی ہے۔

عہدِ صحابہ و تابعین کے بعد جتنے بڑے بڑے مفسرین تاریخ اسلام میں گزرے ہیں اُنہوں نے بالاتفاق اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ امام ابنِ جریر طبری کہتے ہیں: یُدنین علیھن من جلابیبھنّ یعنی شریف عورتیں اپنے لباس میں لونڈیوں سے مشابہ بن کر گھروں سے نہ نکلیں کہ ان کے چہرے اور سر کے

بال کھلے ہوئے ہوں، بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ کوئی فاسق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کرے۔" (جامع البیان جلد ۲۲ ص ۳۳)

علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں: "یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت ستر اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اُسے دیکھ کر کسی طمع میں مبتلا نہ ہوں۔" (احکام القرآن، جلد ۳، صفحہ ۴۵۸)

علامہ زمخشری کہتے ہیں: "یدنین علیھن من جلابیبھن، یعنی وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔" (الکشاف جلد ۲، ص ۲۲۱)

علامہ نظام الدین نیشاپوری کہتے ہیں: "یدنین علیھن من جلابیبھن، یعنی اپنے اوپر چادر کا ایک حصہ لٹکا لیں۔ اس طرح عورتوں کو سر اور چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے۔" (غرائب القرآن جلد ۲۲، ص ۳۲)

امام رازی کہتے ہیں: "اس سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ جو اپنا چہرہ چھپائے گی، حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے، اس سے کوئی شخص یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے کھولنے پر راضی ہوگی۔ اس طرح ہر شخص جان لیگا کہ یہ باپردہ عورتیں ہیں، ان سے زنا کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔" (تفسیر کبیر، جلد ۶، ص ۵۹۱)

ضمناً ایک اور مضمون جو اس آیت سے نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی بیٹیاں ثابت ہوتی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے "اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہو"۔ یہ الفاظ اُن لوگوں کے قول کی قطعی تردید کر دیتے ہیں جو خدا سے بے خوف ہو کر بے تکلف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور باقی صاحبزادیاں حضور کی اپنی صُلبی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ گیرڈ تھیں۔ یہ لوگ تعصب میں اندھے ہو کر یہ بھی نہیں سوچتے کہ اولادِ رسولؐ کے نسب سے انکار کر کے وہ کتنے بڑے جُرم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اس کی کیسی سخت جوابدہی انہیں آخرت میں کرنی ہوگی۔ تمام معتبر روایات اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضور کی صرف ایک بیٹی حضرت فاطمہؓ

جائیں۔[۱۱۰] اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔[۱۱۱]

ہی نہ تھیں بلکہ تین اور بیٹیاں بھی تھیں حضور کے قدیم ترین سیرت نگار محمد بن اسحاق حضرت خدیجہ سے حضور کے نکاح کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: "ابراہیم کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہی کے بطن سے ہوئی اور ان کے نام یہ ہیں۔ قاسم، اور طاہر و طیب، اور زینب، اور رقیہ، اور ام کلثوم، اور فاطمہ" (سیرت ابنِ ہشام جلد اوّل۔ ص ۲۰۲)۔ مشہور ماہر علم انساب ہشام بن محمد بن السائب کلبی کا بیان ہے کہ: "مکہ میں نبوت سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے، پھر زینب، پھر رقیہ، پھر فاطمہ، پھر اُم کلثوم (طبقات ابنِ سعد، جلد اوّل، ص ۱۳۳)۔ ابنِ حزم نے جوامع السیرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے حضور کی چار لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی حضرت زینبؓ ان سے چھوٹی رقیہ، ان سے چھوٹی فاطمہ اور ان سے چھوٹی ام کلثوم (ص ۳۸-۳۹)۔ طبری، ابنِ سعد، ابوجعفر محمد بن حبیب صاحب کتاب المحبّر اور ابنِ عبدالبر صاحب کتاب الاستیعاب، مستند حوالوں سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت خدیجہ کے دو شوہر گزر چکے تھے۔ ایک ابوہالہ تمیمی جس سے ان کے ہاں ہند بن ابی ہالہ پیدا ہوئے۔ دوسرے عتیق بن عائذ مخزومی جس سے ان کے ہاں ایک لڑکی ہند نامی پیدا ہوئی۔ اس کے بعد ان کا نکاح حضور سے ہوا اور تمام علمائے انساب متفق ہیں کہ آپ کی صلب سے ان کے ہاں وہ چاروں صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام اوپر مذکور ہوئے ہیں (ملاحظہ ہو طبری، جلد ۲، ص ۴۱۱۔ طبقات ابنِ سعد، جلد ۸، ص ۱۴ تا ۱۶۔ کتاب المحبّر ص ۷۸، ۷۹، ۴۵۲۔ الاستیعاب جلد ۲، ص ۷۱۸)۔ ان تمام بیانات کو قرآن مجید کی یہ تصریح قطعی الثبوت بنا دیتی ہے کہ حضور کی ایک ہی صاحبزادی نہ تھیں بلکہ کئی صاحبزادیاں تھیں۔

[۱۱۰] "پہچان لی جائیں" سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس سادہ اور حیادار لباس میں دیکھ کر ہر دیکھنے والا جان لے کہ وہ شریف اور باعصمت عورتیں ہیں، آوارہ اور کھلاڑی نہیں ہیں کہ کوئی بدکردار انسان ان سے اپنے دل کی تمنا پوری کرنے کی اُمید کر سکے۔ "نہ ستائی جائیں" سے مراد یہ ہے کہ ان کو نہ چھیڑا جائے، ان سے تعرض نہ کیا جائے۔

[۱۱۱] اس مقام پر ذرا ٹھیر کر یہ سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ قرآن کا یہ حکم، اور وہ مقصد حکم جو اللہ تعالیٰ نے خود بیان کر دیا ہے اسلامی قانون معاشرت کی کیا روح ظاہر کر رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۂ نور، آیت ۳۱ میں یہ ہدایت گزر چکی ہے کہ عورتیں اپنی آرائش و زیبائش کو فلاں فلاں قسم کے مردوں اور عورتوں کے سوا کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں۔" اور

زمین پر پاؤں مارتی ہوئی بھی نہ چلیں کہ لوگوں کو اُس زینت کا علم ہو جو اُنہوں نے چھُپا رکھی ہے"۔ اُس حکم کے ساتھ اگر سورۂ احزاب کی اِس آیت کو ملا کر پڑھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں چادر اوڑھنے کا جو حکم ارشاد ہؤا ہے اس کا منشا اجنبیوں سے زینت چھپانا ہی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ منشا اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ چادر بجائے خود سادہ ہو، ورنہ ایک مزیّن اور جاذبِ نظر کپڑا لپیٹ لینے سے تو یہ منشا اُلٹا اور فوت ہو جائے گا۔ اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف چادر لپیٹ کر زینت چھپانے ہی کا حکم نہیں دے رہا ہے بلکہ یہ بھی فرما رہا ہے کہ عورتیں چادر کا ایک حصّہ اپنے اوپر سے لٹکا لیا کریں۔ کوئی معقول آدمی اس ارشاد کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں لے سکتا کہ اس سے مقصود گھونگھٹ ڈالنا ہے تاکہ جسم و لباس کی زینت چھپنے کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی چھُپ جائے۔ پھر اس حکم کی علّت اللہ تعالیٰ خود یہ بیان فرماتا ہے کہ یہ وہ مناسب ترین طریقہ ہے جس سے مُسلمان خواتین پہچان لی جائیں گی اور اذیّت سے محفوظ رہیں گی۔ اس سے خود بخود یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ ہدایت اُن عورتوں کو دی جا رہی ہے جو مَردوں کی چھیڑ چھاڑ اور ان کی نظر بازی اور ان کے شہوانی التفات سے لذّت اندوز ہونے کے بجائے اس کو اپنے لیے تکلیف دہ اور اذیّت ناک محسوس کرتی ہیں، جو معاشرے میں اپنے آپ کو آبرو باختہ شمعِ انجمن قسم کی عورتوں میں شمار نہیں کرانا چاہتیں، بلکہ عفت مآب چراغِ خانہ ہونے کی حیثیت سے معروف ہونا چاہتی ہیں۔ ایسی شریف اور نیک خواتین سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم فی الواقع اس حیثیت سے معروف ہونا چاہتی ہو اور مَردوں کی ہوسناک توجّہات حقیقت میں تمہارے لیے موجبِ لذّت نہیں بلکہ موجبِ اذیّت ہیں تو پھر اس کے لیے مناسب طریقہ یہ نہیں ہے کہ تم خوب بناؤ سنگھار کر کے پہلی رات کی دُلہن بن کر گھروں سے نکلو اور دیکھنے والوں کی حریص نگاہوں کے سامنے اپنا حُسن اچھی طرح نکھار نکھار کر پیش کرو، بلکہ اِس غرض کے لیے تو مناسب ترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ تم ایک سادہ چادر میں اپنی ساری آرائش و زیبائش کو چھُپا کر نکلو، اپنے چہرے پر گھونگھٹ ڈالو، اور اس طرح چلو کہ زیور کی جھنکار بھی لوگوں کو تمہاری طرف متوجہ نہ کرے۔ جو عورت باہر نکلنے سے پہلے بن ٹھن کر تیار ہوتی ہے اور اس وقت تک گھر سے قدم نہیں نکالتی جب تک سات سنگھار نہ کرلے، اس کی غرض اس کے سوا آخر اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ دُنیا بھر کے مَردوں کے لیے اپنے آپ کو جنّتِ نگاہ بنانا چاہتی ہے اور انہیں خود دعوتِ التفات دیتی ہے۔ اس کے بعد اگر وہ یہ کہتی ہے کہ دیکھنے والوں کی بھُوکی نگاہیں اسے تکلیف دیتی ہیں، اس کے بعد اگر اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ معاشرے

کی بیگم" اور "مقبولِ عام خاتون" ہونے کی حیثیت سے معروف نہیں ہونا چاہتی بلکہ عفت مآب گھر گرہستن بن کر رہنا چاہتی ہے تو یہ ایک فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ انسان کا قول اس کی نیت متعین نہیں کرتا بلکہ اس کی اصل نیت وہ ہوتی ہے جو اس کے عمل کی شکل اختیار کرتی ہے۔ لہٰذا جو عورت جاذبِ نظر بن کر غیر مردوں کے سامنے جاتی ہے اس کا یہ عمل خود ظاہر کر دیتا ہے کہ اس کے پیچھے کیا محرکات کام کر رہے ہیں۔ اسی لیے فتنے کے طالب لوگ اس سے وہی توقعات وابستہ کرتے ہیں جو ایسی عورت سے وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ قرآن عورتوں سے کہتا ہے کہ تم بیک وقت چراغِ خانہ اور شمعِ انجمن نہیں بن سکتی ہو۔ چراغِ خانہ بننا ہے تو اُن طور طریقوں کو چھوڑ دو جو شمعِ انجمن بننے کے لیے موزوں ہیں۔ اور وہ طرزِ زندگی اختیار کرو جو چراغِ خانہ بننے میں مددگار ہو سکتا ہے۔

کسی شخص کی ذاتی رائے خواہ قرآن کے موافق ہو یا اس کے خلاف، اور وہ قرآن کی ہدایت کو اپنے لیے ضابطۂ عمل کی حیثیت سے قبول کرنا چاہے یا نہ چاہے، بہرحال اگر وہ تعبیر کی بددیانتی کا ارتکاب نہ کرنا چاہتا ہو تو وہ قرآن کا منشا سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا۔ وہ اگر منافق نہیں ہے تو صاف صاف یہ مانے گا کہ قرآن کا منشا وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد جو خلاف ورزی بھی وہ کرے گا یہ تسلیم کر کے کرے گا کہ وہ قرآن کے خلاف عمل کر رہا ہے یا قرآن کی ہدایت کو غلط سمجھتا ہے۔

۵۱۔ یعنی پہلے جاہلیت کی حالت میں جو غلطیاں کی جاتی رہی ہیں اللہ اپنی مہربانی سے ان کو معاف کر دیگا بشرطیکہ اب صاف صاف ہدایت مل جانے کے بعد تم اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لو اور بیان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اسلام اور ضبطِ ولادت

★ سابقہ ایڈیشن سے دُگنی ضخامت اور آفسٹ کی نفیس طباعت کے ساتھ۔

★ برتھ کنٹرول کے موضوع پر معاشی، تمدنی، سیاسی، اخلاقی اور مذہبی پہلوؤں سے مفصل بحث

★ اس مسئلے پر اردو اور عربی تو درکنار انگریزی زبان میں بھی اتنی معلومات کہیں یکجا موجود نہیں ہیں۔

قیمت ۲ روپے شعبہ کتب "ترجمان القرآن"۔ لاہور